| Barelvi Mazhab Aik Ganda Gustaakh Mazhab hai |

قائداعظمؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی

صبح بخیر
☆☆☆
ڈاکٹر صفدر محمود
safdar.mehmood@janggroup.com.pk

برادر عزیز، ہارون الرشید نے اپنے 14 فروری والے کالم میں لکھا ہے کہ ”روایت ہے مولانا اشرف علی تھانوی کا بھیجا ہوا علماء کا ایک وفد قائداعظمؒ کی خدمت میں پہنچا اور ملاقات میں دو نکات پر زور دیا۔ اول سیاست اور مذہب اور دوم جھجکتے ہوئے کہا کہ اگرچہ ذاتی بات ہے مگر انہیں نماز پڑھنی چاہئے“۔ اسی کالم میں ہارون الرشید نے مجھ سے تفصیل لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ محض روایت نہیں بلکہ مستند واقعہ ہے اور تاریخ کا حصہ ہے۔ میں نے 2001ء میں محترم ارشاد احمد حقانی صاحب مرحوم سے قلمی بحث میں اس کا حوالہ دیا تھا اور پھر افتخار احمد چودھری کے ساتھ یوم قائداعظمؒ کے حوالے سے جیو کے پروگرام ”جوابدہ“ میں بھی عرض کیا تھا کہ قائداعظمؒ کی مذہبی تربیت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہدایت پر ان کے ساتھیوں اور خواہرزادوں نے کی تھی جن کی قائداعظمؒ سے طویل ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں کا نتیجہ تھا کہ انگلستان سے واپسی کے بعد قائداعظمؒ کی تقریروں پر واضح مذہبی رنگ نظر آتا ہے، ان کی تقریروں میں جا بجا اسلام کے حوالے ملتے ہیں، خدا کے سامنے جوابدہی کے خوف کا خوف طاری ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ قائداعظمؒ کی تقاریر کو بغور پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ 1934ء کے بعد ان کے نظریات میں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے، مذہب کی جانب جھکاؤ محسوس ہوتا ہے اور ان کے تصور قومیت اور سیاست میں بنیادی تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قائداعظمؒ کوئی مذہبی شخصیت نہیں تھے اور نہ ہی علامہ اقبالؒ کی مانند ان کی مذہبی تربیت ہوئی تھی۔ وہ ایک کھرے اور سچے مسلمان تھے اور اسلام کی تعلیمات میں یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر اسلامی نظام، سیرت نبویؐ اور قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس کے حوالے سے ان کی تقاریر میں جا بجا ملتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم پر غور و فکر کرتے تھے اور اس کی گواہی نہ صرف منیر احمد منیر کی کتاب ”دی گریٹ لیڈر“ کے عینی شاہدین دیتے ہیں بلکہ جنرل محمد اکبر کی کتاب ”میری آخری منزل“ سے بھی ملتی ہے۔ گنتی کے مطابق قائداعظمؒ نے قیام پاکستان سے قبل 101 دفعہ اور قیام پاکستان کے بعد چودہ دفعہ اس عزم کا اعادہ کیا کہ پاکستان کے آئینی ڈھانچے اور نظام کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی اور انہوں نے یہ بات تو کئی بار کہی کہ ”قرآن مجید“ ہمارا راہنما ہے۔ حتیٰ کہ سٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریر میں بھی اسلامی اصولوں کی بنیاد پر اقتصادی نظام تشکیل دینے کی آرزو کا اظہار کیا۔ مجموعی طور پر قائداعظمؒ پاکستان کو اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے، مذہبی ریاست ہرگز نہیں کیونکہ اسلام میں تھیوکریسی کا کوئی تصور موجود نہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارے سیکولر دانشوروں نے قائداعظمؒ کی تقاریر کو پڑھا ہی نہیں اور نہ ہی ان کی روح کو سمجھا ہے۔ وہ فقط چند ایک تقاریر پڑھ کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں اور اس پہلو پر غور کرنے کی زحمت نہیں فرماتے کہ وقت گزرنے کے ساتھ کب اور کیسے قائداعظمؒ کے نظریات میں تبدیلی آتی گئی اور انہوں نے مسلمانوں کے حوالے سے ”اقلیت“ سے ”قومیت“ تک کا سفر کیسے طے کیا۔ اقبالؒ کا فکری ارتقاء بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔ اسلام مخالف اور دین بیزار حضرات قائداعظمؒ کو سیکولر ثابت کرتے رہتے ہیں اور ان کے علم کا حال یہ ہے کہ وہ اکثر دعوے کرتے پائے جاتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے کبھی پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا اعلان نہیں کیا۔ یہ سطحیت کی حد ہے کیونکہ قائداعظمؒ نے فروری 1948ء میں امریکی عوام کے نام براڈ کاسٹ میں پاکستان کو ”پریمیئر اسلامک اسٹیٹ“ قرار دیا تھا۔ (بحوالہ قائداعظمؒ کی تقاریر جلد چہارم صفحہ 1064 تدوین خورشید یوسفی) البتہ سیکولر کا لفظ کبھی ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ قائداعظمؒ کے نظریات کیا تھے اور وہ پاکستان کو کیسی ریاست بنانا چاہتے تھے، یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں لیکن دین بیزار حضرات اس حوالے سے جب قائداعظمؒ کو مولوی محمد علی جناح کہتے اور مجھ پر پھبتی کستے ہیں تو میں محظوظ ہوتا ہوں اور دعا مانگتا ہوں کہ اللہ انہیں قائداعظمؒ کی تقاریر پڑھنے کی توفیق دے۔ رہا آج کا پاکستان تو وہ نہ اسلامی ہے نہ جمہوری ہے اور نہ ہی فلاحی ہے بلکہ آمریت اور جمہوریت کا ملغوبہ ہے، جہاں اقتدار اور سیاست پر دولت کی اجارہ داری ہے، نیم خواندہ، نظریاتی منافق اور ہوس زدہ طبقے چھائے ہوئے ہیں اور عوام کے نام پر عوام کے لئے بنائے گئے پاکستان میں عوام پس رہے ہیں۔

بات چلی تھی مولانا اشرف علی تھانوی اور قائداعظمؒ کی مذہبی تربیت کے حوالے سے اور قدرے دور نکل گئی۔ اس ضمن میں جس تفصیل کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ منشی عبدالرحمٰن خان مرحوم کی کتاب ”تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی میں“ تفصیل سے موجود ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔ منشی عبدالرحمٰن مرحوم نے بڑی محنت اور تحقیق سے مواد جمع کیا ہے اور قائداعظمؒ کے حوالے سے ان گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جن کا ذکر نہ ہماری تحریک پاکستان پر لکھی گئی کتابوں میں ملتا ہے اور نہ ہی مغربی سکالرز قائداعظمؒ کی سوانح لکھتے ہوئے انہیں قابل توجہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ انہیں ”سوٹ“ (Suit) نہیں کرتا۔ آج کا نوجوان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ مولانا اشرف علی تھانوی بہت بڑے سکالر، تفسیر قرآن اور سیرت نبویؐ کے عظیم مصنف اور بڑی روحانی شخصیت تھے۔ ایسی شخصیت کا مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں متفکر رہنا قابل فہم ہے۔ مولانا شبیر علی تھانوی کی ”روئیداد تبلیغ“ کا حوالہ دیتے ہوئے منشی عبدالرحمٰن مرحوم نے لکھا ہے ”حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دوپہر کا کھانا نوش فرما کر قیلولہ کے لئے خانقاہ میں تشریف لائے اور مجھے آواز دی۔ حاضر ہوا تو حضرت متفکر تشریف فرما تھے۔ (یہ مئی 1938 کا واقعہ ہے) اس زمانہ تک قرارداد پاکستان منظور نہیں ہوئی تھی مگر کانگرس اور ہندوؤں کی ذہنیت بے نقاب ہو چکی تھی...... حضرت نے دو تین منٹ کے بعد سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا ”میاں شبیر علی ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جاویں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج ہم فاسق فاجر کہتے ہیں، مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ یہی لوگ دین دار بن جاویں۔ آج کل کے حالات میں اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جاوے تو شاید چلا نہ سکیں گے...... ہم کو تو صرف یہ مقصد ہے کہ جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس میں نے ارشاد سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ سے شروع ہو یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ اوپر کے طبقہ سے کیونکہ وقت کم ہے اور خواص کی تعداد بھی کم ہے۔ اگر خواص دیندار بن گئے تو انشاءاللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ اس پس منظر اور اس جذبے کے تحت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک وفد ترتیب دیا، نواب محمد اسماعیل کے ذریعے قائداعظمؒ سے ملاقات کا انتظام کیا جس کا احوال اگلے کالم میں بیان کروں گا انشاءاللہ...... فی الحال اتنا ذہن میں رکھیں کہ نواب محمد اسماعیل مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈر تھے اور دسمبر 1947 میں جب مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہندوستان کے لئے انڈیا مسلم لیگ بنائی گئی تو نواب اسماعیل اس کے پہلے صدر تھے۔ (جاری ہے)

قائداعظمؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی

صبح بخیر
☆☆☆
ڈاکٹر صفدر محمود
safdar.mehmood@janggroup.com.pk

(گزشتہ سے پیوستہ)

علامہ اقبال نے اپنے انگریزی خطبات (Reconstruction) میں لکھا ہے کہ زندگی دراصل اموات کے سلسلے کا نام ہے، انسانی شخصیت کا ایک حصہ ختم ہوتا ہے تو اس کی راکھ پر دوسری شخصیت جنم لیتی ہے۔ انسان جو کل تھا وہ آج نہیں ہے، اس کی ماضی کی شخصیت مر چکی اور اُس پر نئی شخصیت جنم لے چکی۔ اسے اقبال سلسلہ وار اموات (Series of Deaths) کا نام دیتے ہیں۔ قائداعظم سیاسی زندگی کے آغاز میں سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کی مانند متحدہ قومیت کی بات کرتے تھے لیکن سرسیّد اور اقبال کی مانند غور و فکر اور تجربات کی گھاٹیوں سے گزرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں کیوں ہیں کیونکہ ان کے راہیں الگ الگ ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔ وہ خلوص نیت سے سمجھتے تھے کہ اسی علیحدگی میں مسلمانوں کی بقاء کا راز مضمر ہے۔ کسی صحافی نے ایک بار قائداعظم سے پوچھا کہ آپ تو متحدہ قومیت میں یقین رکھتے تھے اور اب آپ کیوں دونوں کو الگ قومیں قرار دیتے ہیں؟ جواب تھا کہ کبھی میں ہائی اسکول میں بھی پڑھتا تھا۔ مطلب یہ کہ علامہ اقبال کے الفاظ میں وہ شخصیت مر چکی اور ماضی تاریخ کا حصہ بن چکا۔ بعینہٖ کسی دور میں قائداعظم مذہب کو سیاست سے الگ سمجھتے تھے اور جب گاندھی نے مذہب کو سیاست میں ملوث کیا تو قائداعظم نے بغاوت کر دی اور کانگریس کے ناگپور جلسہ میں ناخوشگوار واقعہ ہوا۔ وہی قائداعظم جب تجربات، مشاہدات اور غور و فکر کی بھٹی میں پگھل کر کندن بنتے ہیں، اسلامی تعلیمات کو سمجھتے ہیں اور قرآن حکیم پر تدبر کرتے ہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں سیاست کو مذہب سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ یا تو اسلام کو مکمل ضابطہ حیات نہ کہیے اور عیسائیت کی مانند چرچ کو طلاق دے کر سیاسی و عملی زندگی سے نکال دیجیے ورنہ اگر آپ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں تو پھر سیاست کو کیونکر اس سے الگ کریں گے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے روشن خیال اور سیکولر دانشور اس حوالے سے دو اعتراض کرتے ہیں اول یہ کہ مذہب اور سیاست کو ملانے سے دہشت گردی، فرقہ واریت اور انتہا پسندی پیدا ہوئی ہے۔ یہ ان کا واہمہ ہے اور بے بنیاد ہے کیونکہ دہشت گردی، فرقہ واریت وغیرہ وغیرہ ہماری سیاست اور بین الاقوامی سیاست کے تحفے ہیں جبکہ ہمارا دین ان کی نفی کرتا ہے۔ تمام اسلامی سکالرز اس بات پر متفق ہیں کہ دہشت گردی اسلام سے خارج ہے اور ڈاکٹر طاہر القادری نے تو اس پر فتویٰ دے کر ضخیم کتاب بھی لکھ دی ہے جو علم و فکر کا نمونہ ہے۔ دوسرا اعتراض اقلیتوں کے حوالے سے کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام اقلیتوں کو پورے حقوق اور مکمل سرپرستی عطا کرتا ہے۔ اس کی بہترین عملی مثال میثاق مدینہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مدینہ ریاست" تشکیل دینے سے پہلے طے کیا۔ جن پارٹیوں سے "میثاق مدینہ" طے کیا گیا ان میں بارہ غیر مسلم

گفتار قائداعظم پڑھ لیں تو ان پر میری گزارشات عیاں ہو جائیں گی۔ احمد سعید درویش طبیعت سکالر ہیں جنہوں نے قائداعظم پر خاصا تحقیقی کام کیا ہے۔ گفتار قائداعظم قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ نے چھاپی ہے اور اس میں زیادہ تر قائداعظم کی روزنامہ انقلاب میں چھپنے والی تقاریر شامل ہیں جنہیں خلوص نیت سے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگلستان سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد قائداعظم ذہنی فکر، سیاسی سوچ اور خیالات کے حوالے سے وہ محمد علی جناح نہیں تھے جو وہ انگلستان ہجرت سے قبل تھے۔ مجھے ایک بار پھر یہ کہنے دیجیے کہ یہ نہ میرا ذاتی مسئلہ ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ میں نے فقط قائداعظم کو آزاد ذہن کے ساتھ خلوص نیت سے پڑھا ہے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میں اپنی اس تحقیق کے حق میں سینکڑوں ثبوت دے سکتا ہوں لیکن ظاہر ہے کہ کالم ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان کی 1930ء کی دہائی کے اواخر کی تقاریر پڑھتے ہوئے بار بار قرآن حکیم، اسلامی تعلیمات، سیرت نبویؐ اور اسلامی اصولوں کے حوالے ملتے ہیں جو انگلستان ہجرت سے قبل آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ یہ تو ان کے دشمن بھی مانتے ہیں کہ محمد علی جناح ایک سچا اور کھرا انسان تھا، منافقت اور جھوٹ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرے تھے۔ نہ ان کا کوئی ذاتی ایجنڈا تھا اور نہ ہی ذاتی مقصد اور اسی خلوص اور کردار کے پیش نظر علامہ اقبال نے محمد علی جناح کو ہندوستان کے مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے چنا تھا اور کہا تھا کہ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے، بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔ ماضی کا ذکر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے میمن چیمبرز آف کامرس کے سپاسنامے کے جواب میں کہا تھا "مجھے شروع شروع میں گجراتی پڑھائی گئی اس کے بعد انگریزی۔ پھر انگلستان بھیج کر انگریزی زبان کی انتہائی تعلیم دلوائی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری رگ رگ میں انگریزیت سما گئی۔ میں اپنی کمزوری کا احساس کرتا ہوں اور اس سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہوں۔ میں اپنے پر قیاس کرتا ہوں کہ قوم کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح و تعمیر پر زبان کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اسی لئے میں مسلمانوں کی مادری زبان اردو کو جاری رکھنے کے حق میں ہوں لیکن کانگریس نے ہماری ایک نہیں سنی۔" ذرا رک کر غور کیجیے کہ قائداعظم کس طرح اپنا تجزیہ کرتے اور کمزوریوں کو رفع کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ ایک قومی زبان کے حق میں کیوں تھے؟ اسی پس منظر میں قائداعظم نے مارچ 1948ء میں اردو کی بحیثیت قومی زبان حمایت کی تھی اور بنگالیوں سے کہا تھا کہ وہ اپنے صوبے مشرقی پاکستان میں بنگالی کو سرکاری اور صوبائی زبان کا درجہ دیں لیکن قومی رابطے کے لئے زبان صرف اردو ہو گی۔ میمن چیمبرز آف کامرس کی اسی تقریر میں آگے چل کر قائداعظم نے جو کچھ کہا اس سے سیکولر حضرات کو صدمہ ہو گا لیکن ذرا غور کیجیے کہ وہ جون 1938ء میں کیا کہہ رہے ہیں اور ان کے باطن سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں "مسلمانوں کے لئے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ ہے قرآن پاک۔ قرآن پاک ہی میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانون الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلام الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے: آزادی، مساوات اور اخوت۔ بحیثیت ایک مسلمان کے میں بھی ان ہی تین

قائداعظمؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی

صبح بخیر
☆☆☆
ڈاکٹر صفدر محمود
safdar.mehmood@janggroup.com.pk

(آخری قسط)

میں نے کل کے کالم میں لکھا تھا کہ قائداعظمؒ نے الگ وطن کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا تھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور ان کا مذہب، کلچر، تاریخ، معاشرت اور اندازِ فکر ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی 1934ء سے لے کر 1948ء تک کی تقاریر پڑھی جائیں تو ان پر قرآنی تعلیمات کا گہرا اثر نظر آتا ہے، پاکستانیوں کو تو نہ قائداعظمؒ کی مستند اور معیاری سوانح عمری لکھنے کی توفیق ہوئی ہے اور نہ ہی ان کی سیاسی فکر کا تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے لیکن ایک برطانوی شہری محترمہ سلینہ نے ''سیکولر جناح اینڈ پاکستان'' نامی کتاب لکھ کر یہ حق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں سلینہ نے قرآنی آیات کے حوالے دے کر تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جناحؒ کے اکثر تصورات اور افکار قرآن حکیم سے ماخوذ تھے اور یہ کہ کاؤس جی سے لے کر پروفیسر پرویز ہوڈ بھائی تک جتنے لکھاریوں نے انہیں سیکولر قرار دیا ہے وہ بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی تحریروں کی بنیاد جسٹس منیر کی کتاب میں دی گئی قائداعظمؒ کی جس تقریر پر رکھی ہے وہ الفاظ قائداعظمؒ کے نہیں بلکہ جسٹس منیر مرحوم کے اپنے ہیں اور ان کی ''انگریزی'' بھی غلط ہے جو قائداعظمؒ کی نہیں ہو سکتی۔ وزیر آباد کے محمد شریف طوسی بنیادی طور پر مدرس تھے، انہوں نے انگریزی اخبارات میں پاکستان کے حق میں اتنے مدلل اور زوردار مضامین لکھے کہ قائداعظمؒ نے متاثر ہو کر انہیں بمبئی بلایا اور چھ ماہ اپنے پاس رکھ کر ان سے ''پاکستان اینڈ مسلم انڈیا'' اور ''نیشنلزم کنفلیکٹ ان انڈیا'' جیسی معرکۃ الآراء کتابیں انگریزی زبان میں لکھوائیں۔ طوسی صاحب نے اپنی چھ ماہ کے قیام کی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ قائداعظمؒ ہر روز صبح علامہ یوسف علی کے قرآن حکیم کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور سید امیر علی کی کتاب ''سپرٹ آف اسلام'' پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے شبلی نعمانی کی کتاب ''الفاروق'' کے انگریزی ترجمے کو بغور پڑھ رکھا تھا۔ یہ ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ ان کی لائبریری میں سیرت نبویؐ، اسلامی تاریخ اور قرآن حکیم کے تراجم پر بہت سی کتابیں موجود تھیں جو ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ جب حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی نے محسوس کیا کہ انگریزوں کی رخصتی کے بعد اقتدار مغربی تعلیم یافتہ لیڈران کو ملے گا تو انہوں نے ان کی مذہبی تربیت کا پروگرام بنایا اور اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات کے لئے ایک وفد ترتیب دیا جس کے سربراہ مولانا مرتضیٰ حسن تھے اور اس وفد میں مولانا شبیر علی تھانوی، مولانا عبدالجبار، مولانا عبدالغنی، مولانا معظم حسنین اور مولانا ظفر احمد عثمانی شامل تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی سگے بھائی اور مولانا اشرف تھانوی کے بھانجے تھے جبکہ مولانا شبیر علی تھانوی مولانا اشرف تھانوی کے بھتیجے تھے۔ دسمبر 1938ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہونا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی والدہ کی علالت کے سبب جا نہ سکے چنانچہ دوسرے حضرات وفد کی صورت میں پٹنہ پہنچے، نواب اسماعیل خان کے ذریعے قائداعظمؒ سے رابطہ ہو چکا تھا۔ پٹنہ میں نوابزادہ لیاقت علی خان کے ذریعے قائداعظم سے پٹنہ جلسہ عام سے پہلے کا وقت مانگا گیا کیونکہ علماء قائداعظمؒ سے ملے بغیر مسلم لیگ کے اجلاس میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ 25 دسمبر 1938 کو شام پانچ بجے یہ وفد قائداعظمؒ سے ملا۔ ملاقات ایک گھنٹہ جاری رہی جس کی تفصیل مولانا شبیر علی تھانوی کی 'روئیداد' میں موجود ہے اور اس کا ذکر منشی عبدالرحمٰن کی کتاب کے صفحات 62-61 میں بھی ملتا ہے۔ وفد کے تاثرات ان الفاظ میں جھلکتے ہیں ''ہم ان کے (قائداعظمؒ) کے جوابات سے متاثر ہوئے۔ ان کے کسی دینی عمل کی کوتاہی کے متعلق عرض کیا گیا تو بغیر تاویل وحجت اپنی کوتاہی کو تسلیم کیا اور آئندہ اصلاح کا بھی وعدہ کیا۔ یہ صرف حضرت تھانوی کا روحانی فیض کام کر رہا تھا ورنہ جناحؒ صاحب کسی بڑے سے بڑے کا اثر بھی قبول نہ کرتے تھے''۔ تفصیل اس ملاقات کی دلچسپ اور فکر انگیز ہے جس میں قائداعظمؒ نے کہا ''میں گناہگار ہوں...... وعدہ کرتا ہوں، آئندہ نماز پڑھا کروں گا'' (بحوالہ منشی عبدالرحمٰن صفحہ 26) چنانچہ اس وفد نے پٹنہ میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں شرکت کی جہاں مولانا اشرف تھانوی کا تاریخی بیان پڑھا گیا۔ اس کے ذریعے ارباب و ارکان مسلم لیگ کو اسلامی شعائر کی پابندی کی تلقین کی گئی تھی۔ دوسری ملاقات 12 فروری 1939ء کو دہلی میں شام سات بجے ہوئی۔ اڑھائی گھنٹے کی اس ملاقات کے بعد قائداعظمؒ نے کہا کہ ''میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست سے مذہب الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے'' (بحوالہ روائیداد ازمولانا شبیر علی تھانوی، صفحہ نمبر 7)۔ اس ملاقات میں مولانا شبیر علی تھانوی کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے جن کا ذکر قیام پاکستان کے بعد آئین سازی اور علماء کے اتفاق رائے کے حوالے سے ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے نمائندے مئی 1947ء تک قائداعظمؒ سے ملتے رہے اور ان کی دینی تربیت کرتے رہے جس کے نتیجے کے طور پر قائداعظمؒ کا مولانا تھانوی کے گھرانے سے ایک پائیدار تعلق قائم ہو گیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی روائیداد میں لکھتے ہیں ''ایک مجلس میں قائداعظمؒ سے کہا گیا کہ علماء کانگرس میں زیادہ ہیں اور مسلم لیگ میں کم۔ قائداعظمؒ نے فرمایا ''تم کن کو علماء کہتے ہو''۔ جواباً مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا ابوالکلام کا نام لیا گیا۔ قائداعظمؒ نے جواب دیا ''مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس و تقویٰ سب سے بھاری ہے اور وہ ہیں مولانا اشرف تھانوی جو چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے''۔

یہی وہ پس منظر تھا جس میں قیام پاکستان کے وقت جب 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے پرچم کی پہلی رسم کشائی ہوئی تو قائداعظمؒ خاص طور پر مولانا شبیر احمد عثمانی کو ساتھ لے کر گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے تلاوت اور دعا کی اور پھر پاکستان کا جھنڈا لہرایا جسے پاکستانی فوج نے سلامی دی۔ یہ رسم کراچی میں پاکستان کے وفاقی دارالحکومت میں ادا کی گئی جبکہ مشرقی پاکستان کے صوبائی دارالحکومت ڈھاکہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھائی اور مولانا اشرف تھانوی کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستان کا پرچم لہرایا۔

اس تحریر کا مقصد نوجوان نسل کو تحریک پاکستان کے ایک پہلو سے روشناس کرانا تھا جسے عام طور پر قابل ذکر نہیں کہا جاتا، اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہوا یا نہیں۔

نوٹ: پی ٹی وی پر کئی برسوں سے رفیق غوری ایک فکر انگیز پروگرام کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے ''جب پاکستان بن رہا تھا'' اس پروگرام میں تحریک پاکستان کے کارکنوں کا انٹرویو کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس پروگرام کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہے اور اس کے ذریعے تحریک پاکستان کا شعور پھیلایا جا رہا ہے جو بڑی قومی خدمت ہے میری گزارش ہے کہ ایسے پروگراموں کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے جائیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ نوجوان نسل کو تحریک پاکستان کے محرکات کا ادراک حاصل ہو۔